الطاف فاطمہ کی ترجمہ نگاری

آمنہ رفیق، پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اردو، جی سی، یونیورسٹی لاہور۔
ڈاکٹر نسیمہ رحمان، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، جی سی، یونیورسٹی لاہور۔

Abstract

Altaf Fatima is one of the renowned Urdu writers who achieved climax of the success after her novel " Dastak Na Do" goes virally famous in 1966. She stepped in to the literary field of Urdu through her fascinating short story writings.Despite her several valuable and quality additions to the genre of Urdu novels and short stories; the urdu related community could not give her due weight-age which she deserved owning to her write-ups. Subsequently, she also translated some of the master pieces of the World Literature in the Urdu language but most of the people are unaware of her such literary contributions. The foremost aim of this article is to review her additions towards the genre of translations in Urdu literature.

الطاف فاطمہ ادب کا ایک معتبر حوالہ ہیں جنہوں نے افسانہ نگاری کے ذریعے ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ زمانۂ طالب علمی سے افسانوں کا آغاز کرنے کے بعد اگرچہ ان کا پہلا ناول ''نشانِ محفل'' کے نام سے منظر عام پر آچکا تھا لیکن ۱۹۶۶ء میں ان کے دوسرے ناول ''دستک نہ دو'' سے ان کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔تاحال ان کے تین افسانوی مجموعے اور چار ناول منظر عام پر آچکے ہیں جبکہ ایک ناول ''گیاہ بندھن'' کے نام سے ابھی زیر تحریر ہے۔ الطاف فاطمہ کی وجۂ شہرت افسانہ نگاری اور ناول نگاری ہے لیکن ان کی ادبی شخصیت کا وہ پہلو جس سے عام طور پر قارئین لاعلم ہیں، ترجمہ نگاری ہے۔

ترجمہ کا عمل مشکل اور نگینہ جڑنے کے فن کی مانند مہارت کا متقاضی ہے۔کسی فن پارے کو دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ اس میں اصل کی خوبی برقرار رہے، ایک خاصا دشوار عمل ہے۔غیر زبان کے اعلیٰ ادبی فن پاروں کو اپنی زبان کا آہنگ عطا کرنا بڑی علمی خدمت ہے۔تراجم کی بدولت جہاں ایک طرف قوم کا علمی ذخیرہ کشادہ ہوتا ہے، تو دوسری جانب قومی سطح پر فکر کو جلا اور سوچ کو نشو ونما ملتی ہے۔بعض اوقات ترجمے کا عمل طبع زاد تخلیق سے بھی زیادہ کٹھن ثابت ہوتا ہے۔ایک مترجم دونوں زبانوں پر عبور حاصل کر کے، ان کے اسالیب بیان، تشبیہات

محاورات اور زیرِ ترجمہ فن پارے کے موضوع اور مصنف کے حوالے سے خاطر خواہ معلومات حاصل کر لینے کے بعد ہی دراصل اس فن پارے کو اپنی زبان میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔فن پارے کی تہ میں جا کر اور اس کے اصل معنوں سے واقف ہوکر ہی اس کا صحیح ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔فن پارے میں بیان کردہ حالات و واقعات کو خود پر طاری کر کے ہی اس میں اپنی زبان، تہذیب اور معاشرت کے اعتبار سے روح پھونکی جاسکتی ہے۔اگر ان باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو ترجمہ معیاری نہیں ہوسکتا۔جب ہم الطاف فاطمہ کی ترجمہ کی گئی کتب پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ترجمے کے لوازمات کا خیال رکھا گیا ہے اصل تحریر کی گہرائی میں جا کر اور اس کے اصل سے مکمل واقفیت حاصل کر کے ہی ان کو ترجمہ کیا گیا ہے۔اور یہ تراجم ادبی معیار پر بھی پورا اُترتے ہیں۔

الطاف فاطمہ کے ترجمہ شدہ ادبی فن پاروں کی تعداد ۸ ہے۔ان کا پہلا باقاعدہ ترجمہ ''نغمے کا قتل''(۱) ہے جو ہارپر لی کی ۱۹۶۰ء میں منظرِ عام پر آنے والی اور انعام یافتہ کتاب "To Kill a Mocking Bird" کا ترجمہ ہے۔اس حوالے سے الطاف فاطمہ خود بتاتی ہیں: ''پہلا ترجمہ میں نے US لائبریری کے لئے Harper Lee کی کتاب To kill a Mocking Bird کا ترجمہ ''نغمے کا قتل'' کے نام سے کیا۔اس کے بعد میں نے کئی ترجمے کیئے''(۲)۔ اس کتاب کا موضوع تعصب پسندی اور بدی کے سبب معصومیت کا قتل ہے۔الطاف فاطمہ کے بقول ان کا پہلا باقاعدہ ترجمہ ''نغمے کا قتل'' ہے مگر ادبی دنیا میں بحیثیت مترجم ان کا تعارف ''بڑے آدمی اور ان کے نظریات''(۳) سے ہوا جو ۱۹۶۵ء میں منظرِ عام پر آچکی تھی جبکہ ''نغمے کا قتل'' طباعت کے مراحل طے کرنے کے بعد ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔

''بڑے آدمی اور ان کے نظریات'' سال۔کے۔پیڈوور کی تصنیف "The Genius of America: Men Whose Ideas Shaped Our Civilization" کا ترجمہ ہے۔ترجمہ شدہ کتاب میں واشنگٹن، جیفرسن، ابرہیم لنکن، ہنری جارج سمیت انیس شخصیات کی زندگی اور انکے نظریات پر مبنی خاکے شامل ہیں جنھیں امریکی قوم اور ان کی جمہوریت کی تشکیل کا شرف حاصل ہے۔اس ترجمے کے جائزے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کو ترجمہ کئے جانے کا مقصد امریکہ کو مثال بنا کر پاکستان کو بھی ایک خودمختار کامیاب مملکت بنانا تھا۔اس کتاب کی اشاعت کے وقت پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے محض ۱۸ برس ہوئے تھے جبکہ امریکہ ایک کامیاب مملکت کے طور پر دنیا کے نقشے پر اُبھر چکا تھا۔امریکہ کی سیاسی قوت کو مثال بنا کر اپنی تہذیب میں یقیناً وہ در متعارف کیے جاسکتے تھے جو پاکستان کو کامیاب کرنے میں معاون ثابت ہوتے کیونکہ چراغ سے ہی چراغ جلتا ہے اور خیال سے ہی خیال جنم لیتا ہے۔ترجمے میں پیش کردہ مواد کے باعث اس کتاب کی تاریخی اور معلوماتی اہمیت مسلم ہے۔یہ ترجمہ الطاف فاطمہ کے جذبہء حب الوطنی کو بھی پیش کرتا ہے جو اپنے ملک کو بطور کامیاب اور روشن مملکت اس دنیا کے نقشے پر دیکھنا چاہتی ہیں۔

۱۹۹۴ء میں الطاف فاطمہ کی ترجمہ کی جانے والی کتاب ''جاپانی افسانہ نگار خواتین''(۴) نوریکو میزوٹا

لپٹ اور کیوکو اریے سیلڈن کی تالیف کردہ کتاب "Japanese Women Writers:Twentieth Century Short Fiction" کا ترجمہ ہے۔اس میں کل۱۱۳افسانوں کا ترجمہ شامل ہے۔۱۹۳۰-۱۹۷۰ کے عرصے میں لکھے گئے ان افسانوں میں جنگ، ایٹم بم کی تباہ کاریاں، صنعتی وطبقاتی استحصال اور محنت کش طبقے کے احوال کو پیش کیا گیا ہے۔ساتھ ہی نسوانی نفسیات، انسانی رشتے، ذہنی الجھنیں، نسوانی جنسیت اور عورت کی زندگی کے خم وپیچ جیسے موضوعات کا بھی بیان ہے۔کتاب میں پیش لفظ کو بھی من وعن ترجمہ کیا گیا ہے جس میں جاپانی ادب میں خواتین کے کردار کا سرسری جائزہ اور مختصر ادبی تاریخ پیش کی گئی ہے۔

تراجم کی دنیا میں الطاف فاطمہ کی طرف سے ایک خوبصورت اضافہ ۱۹۹۹ء میں منظر عام پر آنے والا ناول ''حویلی کے اندر'' ہے۔ یہ ناول ہندوستانی معروف مصنفہ رمامہتہ کے ناول "Inside the Haveli" کا ترجمہ ہے۔اس ناول کا پورا تناظر فیوڈل سسٹم کی بظاہر پائیدار لیکن اندر سے کھوکھلی بنیادوں پر کھڑی حویلی کا اندرونی ماحول ہے۔اور کہانی اودے پور میواڑ کی اس قدیم اور شاندار حویلی کے ریت، رواج، تہذیب اور ان کے درمیان آنے والی تعلیم یافتہ اور جدید خیالات رکھنے والی بہو گیتا کے گرد گھومتی ہے۔اس حویلی کے توسط سے راجھستان کی طرز معاشرت ،تہذیب وتمدن اور ریت، رواج کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔اور یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ جس خوبصورتی اور مہارت سے رمامہتہ نے یہ ناول تحریر کیا اسی خوبصورتی اور مہارت کو پیش نظر رکھتے ہوئے الطاف فاطمہ نے اس کا کامیاب ترجمہ اردو زبان میں پیش کیا ہے۔ یہ ترجمہ ان کی انتھک محنت اور لگن کے نتیجے میں ہی وجود میں آیا ہے اور اس کا اندازہ الطاف فاطمہ کا تحریر کردہ ''پیش لفظ'' پڑھ کر ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہر باب اپنے اندر ایسی تحریری خوبی لیے ہوئے ہے کہ اس ترجمے پر طبع زاد تخلیق کا گمان ہونے لگتا ہے۔

الطاف فاطمہ کی کتاب ''سچ کہانیاں'' ۲۰۰۰ء میں منظر عام پر آئی یہ "Truth Tales: Contemporary Stoires by Women Writers of India" کا ترجمہ ہے جو کالی برائے خواتین کی تالیف کردہ کتاب ہے۔اصل کتاب میں سات افسانے شامل ہیں جبکہ ''سچ کہانیاں'' میں ساتواں افسانہ جو کہ عصمت چغتائی کا ''ننھی کی نانی'' Tiny's Granny کے نام سے ہے، کو شامل نہیں کیا گیا۔ یہ چھ افسانے بنگالی، مراٹھی، گجراتی، ہندی، تامل اور انگریزی زبانوں سے منتخب شدہ ہیں۔انہیں انگریزی سے اردو زبان میں الطاف فاطمہ نے ترجمہ کر کے ہمیں ہندوستانی زندگی کے چند اہم اور تلخ حقائق کی جھلک دکھائی ہے۔تمام کہانیوں کا محور عورت ہے مگر ان سب کا موضوع ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہے۔ان میں عورتوں کی تکالیف، اذیتوں، قربانیوں، جذبوں اور غربت کے نتیجے میں ان کی مجبوریوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

الطاف فاطمہ کی اب تک ترجمہ کی جانے والی آخری کتاب ''زیتون کے جُھنڈ'' ہے جو ۲۰۱۴ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ امریکی مصنفہ ایلسا مارسٹن کی کتاب "Santa Claus in Baghdad & Other Stories About Teens In the Arab World" کا ترجمہ ہے۔ایلسا مارسٹن کی اس کتاب کی ابتدائی شکل "Figs

"and Fate" کے نام سے ۲۰۰۵ء میں سامنے آئی تھی۔ بعدازاں اس میں مزید تین کہانیاں شامل کر کے اسے نئے نام سے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا گیا۔ پیش لفظ اور اظہارِ تشکر کو ترجمہ کرنے کے بعد چند سطور پر مشتمل ''عرضِ مترجم'' بھی شاملِ کتاب ہے جس میں الطاف فاطمہ جذباتی نظر آتی ہیں۔ وہ ان کہانیوں پر اشکبار ہیں لکھتی ہیں: ''ان کہانیوں کے ترجمے کے وقت یہ تسلی تو ہو رہی تھی کہ چلو کسی کو اتنا خیال اور احساس تو ہوا کہ

آیئے ہاتھ اُٹھائیں ہم بھی

ہم جنہیں رسمِ دعا یاد نہیں (۵)

زیتون کے جھنڈ میں آٹھ کہانیاں شامل ہیں جو مشرقِ وسطیٰ سے تعلق رکھنے والے بچوں اور نوجوانوں کے حوالے سے ہیں۔ ان میں عراق، شام، لبنان، مصر، تیونس، اردن اور فلسطین شامل ہیں۔ یہ تحریریں موجودہ دور کے غیر یقینی حالات کے حوالے سے نوجوان بچوں کے جذبات و نفسیات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے بلند حوصلے، ہمت اور مستقبل سے وابستہ روشن اُمیدوں کو بھی سامنے لاتی ہیں۔

بچوں کے ادب میں بھی الطاف فاطمہ نے دو کتابوں: ''موتی'' اور ''میرے بچے میری دولت'' کے عنوانات سے ترجمہ شدہ کتب کے ذخیرے میں اضافہ کیا ہے(۶)۔

مذکورہ بالا تراجم کے ذریعے جاپان اور ہندوستان کے چند اہم ادبی نمونے، وہاں کی تہذیب و ثقافت، ادبی معیار اور ذوق، عوام کی سوچ اور نظریے، رہن سہن، معاشرت، تاریخ، سیاسی و عصری حالات وغیرہ سے واقفیت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ ''زیتون کے جھنڈ'' کے ذریعے مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے بھی یہ معلومات ملتی ہیں اور ہم وہاں کے غیر یقینی حالات کے درمیان لوگوں کے طرزِ حیات کو جان پاتے ہیں۔ ذکر کی گئیں تمام کتب کا ترجمہ انگریزی سے اردو زبان میں کیا گیا ہے تمام کتابوں کے عنوانات کا ترجمہ بھی من و عن کیا گیا ہے سوائے ''زیتون کے جھنڈ'' کے۔ اس کتاب میں شامل افسانہ ''زیتون کے جھنڈ'' نے مترجم کے جذبات کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ مسلسل آنکھوں سے برستی برکھا کے باعث کتاب کے عنوان کیلئے کسی اور نام کا انتخاب نہ کر پائیں۔ اسی طرح الطاف فاطمہ نے تمام ترجمہ کی گئی کہانیوں کے عنوانات اور ان کے کرداروں کے ناموں کا بھی من و عن ترجمہ کیا ہے۔ کہانیوں کے عنوانات کی مثالیں ''جاپانی افسانہ نگار خواتین'' اور ''سچ کہانیاں'' سے ملاحظہ کیجیے:

یاد اک شبِ رفتہ کی Memory of a Night وہ سلسلہء کوہ کے مقابل کھڑے ہیں Stand
acing The Hill They دھواں Smoke سپاہی آدھی رات کا Midnight Soldier

الطاف فاطمہ کی ترجمہ کی گئی تمام کہانیاں حقیقی زندگی سے قریب تر ہیں۔ زیادہ تر کہانیاں عورت کی ذات کے گرد ہی گھومتی ہیں۔ زندگی کا گہرا مشاہدہ ہونے کی باعث وہ ان کہانیوں کو ترجمہ کرتے ہوئے ایک عورت ہونے کی حیثیت سے اور بھی دل دوز انداز میں ترجمہ کرتی ہیں کہ قاری کرداروں کے احوال و جذبات کو محسوس کیئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ درحقیقت ترجمہ ازسرِ نو تخلیق کا عمل ہے اور کہانی میں پیش کردہ کیفیات کو خود پر طاری کئے بنا کسی فن پارے کا

کامیاب ترجمہ کرنا ممکن نہیں ہے۔الطاف فاطمہ ترجمے کے اس تقاضے سے بخوبی واقف ہیں اور باآسانی وہ قاری تک ہر بات کی ترسیل کر دیتی ہیں کہ قاری اس کہانی کے درمیان خود کو موجود پاتا ہے۔

الطاف فاطمہ کی ترجمہ کی گئی کہانیوں کی زبان سادہ اور رواں ہے سادہ اسلوب اور اپنے مخصوص طرز بیان سے وہ کہانی کو دلکش انداز میں پیش کرتی ہیں۔اس سلسلے میں یہ اقتباس دیکھئے:

الطاف فاطمہ کے فن ترجمہ نگاری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اس بات پر خاص توجہ دیتی ہیں کہ ترجمہ میں کرداروں کی زبان اور ان کا لب ولہجہ ان کی طبقاتی اور علمی حیثیت کے مطابق اور اصل کہانی سے قریب تر ہو۔اسی اعتبار سے پھر وہ الفاظ کا چناؤ بھی کرتی ہیں۔مثال کے طور پر ''حویلی کے اندر'' کا یہ مکالمہ دیکھئے جو دو گھریلو ملازمین میاں بیوی کے درمیان ہے''تو تو نری گدھیا ہے لکشمی، مین نے کتنی باری بولا ہے کہ دیواروں پا کھاں کے بھی کان ہوئیں، پرتو تو ایسے بابا کرن بیٹھ جائے گی، مانو حویلی کی مالکن تو ہے''(۸)۔''سچ کہانیاں''میں شامل بنگالی افسانے کے کردار جسودھا کا مالکن کی وفات کے موقع پر لب ولہجہ ملاحظہ کیجئیے:

ترجمہ شدہ متن کو اصل تحریر سے قریب رکھنے کیلئے الفاظ کا چناؤ چونکہ وہ اصل زبان کی مناسبت سے کرتی ہیں لہٰذا ایسے الفاظ جو وہ ایک عام قاری کے اعتبار سے مشکل یا ناقابل فہم گردانتی ہیں ان کے متبادل اردو یا انگریزی الفاظ قوسین میں ساتھ ہی درج کر دیتی ہیں اس تکنیک کا استعمال وہ اپنے تمام ترجمہ شدہ فن پاروں میں کرتی ہیں البتہ ''سچ کہانیاں''،''حویلی کے اندر''اور''بڑے آدمی اور ان کے نظریات''میں سے یہ مثالیں دیکھیے: غیر ملکیوں اور بغاوت کے ایکٹ (Alien And Sedition Acts)، دیوا باریئے (دیپ جلایئے)، مہاراجن (باورچن)، گچھے مل گئے (روپیوں کی تھیلیاں)، کونو (کونسا)، کاشو (میت)، وغیرہ۔متبادل الفاظ درج کرنے کی ایک وجہ تو متن میں اصل زبان کا مزہ دینا ہے جبکہ بعض جگہوں پر ایسے الفاظ جو اردو زبان میں عام طور پر رائج نہیں ہیں ان کی ترسیل کیلئے متبادل لفظ بھی تحریر کر دیتی ہیں کیونکہ ایسی کوششوں ہی سے ان بندشوں کو توڑا جا سکتا ہے جو ان الفاظ کے استعمال اور رائج کرنے میں حائل ہیں اور بلاشبہ مترجم اس کی سعی کرتی نظر آتی ہیں۔جیسا کہ فلسفہ آلاتیت (Instrumentalism)، پڑتال اور توازن (Check & Balance)، تفضیل (Superlative)، اقدام نو (New Deal)، فطری حکومت (Physiocracy)، وغیرہ۔

منظر نگاری میں الطاف فاطمہ کو خاص ملکہ حاصل ہے اور ان کے فن کی یہ خوبی ان کے ناولوں کے اعتبار سے تسلیم بھی کی جاتی ہے۔منظر کشی اور جزائیات نگاری کے خوبصورت نمونے ان کے تراجم میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔گھر گھر کر گھٹاؤں کے چھانے کا منظر، شہروں اور گلیوں کے احوال، جنگ کے اندوہ گیں نظارے، پیدائش کا جشن یا موت کا ماتم حویلی کا اندرونی نقشہ یا دیوار پر آویزاں تصویر خواہ جو کچھ بھی ہو اسے اس مہارت سے ترجمے کے پیراہن میں ڈھالتی ہیں کہ پل بھر کو یہ امر ذہن سے خارج ہو جاتا ہے کہ پیش کئے جانے والا منظر یا کھینچے جانے والا نقشہ در اصل ترجمہ ہے۔یہ اقباس ملاحظہ کیجئیے:

منظر کشی کی ایک اور مثال ہیروشیما پر گرنے والے ایٹم بم کے انسانی نفسیات پر اثرات کے حوالے سے دیکھیے:

حیات انسانی کا ہر لمحہ اسے ایک نئے جذبے سے دوچار کرتا ہے۔ان جذبات کو اس شدت سے تحریر کرنا کہ وہ قاری کے اندر اتر جائے ایک اچھا ادیب یہ گر خوب جانتا ہے۔مگر ایک ترجمہ کرتے وقت جذبات کی ترسیل کر پانا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔''زیتون کے جھنڈ'' میں اسرائیلی فوج کے ہاتھوں تشدد کا نشانہ بننے والے بچے کے زندہ بچ جانے پر جذبات اور جنگ کے نفسیاتی اثرات کی جھلک دیکھیے۔''جنگ کے زخم اور جراحتیں۔آج اسے ان پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔شکر کر رہا تھا کہ تلوار کی طرح گولی اس کے حلق کے پار نہ اُتر گئی۔وہ شہادت کے بجائے زندگی چاہتا تھا کہ جنگ اور جہاد جاری رکھ سکے۔''(۱۲)۔دو دوستوں کو جبراً جدا کرنے پر بچی کے جذبات ملاحظہ کیجیے:''لیکن ناراضگی اور خفگی کی تو معمولی سی قیمت تھی جو میں نے اپنے اس حق اور آزادی کے عوض ادا کی ہے کہ کم از کم مجھے اتنا تو حق ملنا چاہیے کہ میں اپنی دوست کو کوئی چیز تحفے میں دے سکوں جو کبھی کبھی اسے میری یاد دلا سکے''(۱۳)۔

''بڑے آدمی اور ان کے نظریات'' میں والٹ وٹمین (Walt Whitman) کی نظم کا خوبصورت ترجمہ کر کے وہ اپنی فنی صلاحیتوں کا لوہا منواتی ہیں۔ترجمہ شدہ نظم کا موازنہ اگر اصل تحریر سے کیا جائے تو اس ترجمے کی خوبصورتی اپنے اصل معنی کے ساتھ برقرار ہے۔پہلے بند کا ترجمہ اصل بند کے ساتھ ملاحظہ کیجیے:

آؤ کہ میں برِ اعظم کو ناقابلِ تقسیم بنا دوں گا۔
میں جنم دوں گا ایک ایسی پُرشکوہ نسل کو جس پر کبھی آفتاب ضوفگن نہ ہوا ہو،
میں پیدا کروں گا مقدس، پُرکشش سرزمین،
رفیقوں کی محبت سے،
رفیقوں کی عمر بھر کی محبت سے! (۱۴)

Come, I will make the continent indissoluble,
I will make the most splendid race the sun ever shone upon,
I will make divine magnetic lands,
With the love of comrades,
With the life -long love of comrades.
(The Genius of America by Saul K.Padover)

مندرجہ بالا اصل بند پانچ مصروں پر مشتمل ہے اور الطاف فاطمہ نے اس بند کو اصل سے قریب تر رکھتے ہوئے ترجمہ میں مصروں کی تعداد کو تبدیل نہیں کیا جبکہ ترجمہ اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ اصل بند کا مکمل تاثر اس میں شامل ہو گیا ہے۔

الطاف فاطمہ اپنے ترجمے کو اصل تحریر سے قریب تر رکھنے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں۔ بامحاورہ ترجمہ کرتے ہوئے وہ واقعہ کی شدت کو ترجمے میں بھی قائم رکھتی ہیں مثلاً جاپانی سرزمین پر گرنے والا ایٹم بم تاریخ کا المناک واقعہ تھا۔اس سے وابستہ ایک منظر کا ترجمہ اصل تحریر کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے جس میں واقعہ کی شدت ترجمہ شدہ متن میں بھی برقرار ہے:

Even doctors, nurses and patients who survived were half-dead and bloody. We didn't know what to do wounded outpatients kept coming in droves. Since I could not stand up and walk, I tended them by crawling around.

(Japanese Women Writers: Twentieth Century Short Fiction)

الطاف فاطمہ کے تراجم کے حوالے ایک منفی پہلو یہ نظر آتا ہے کہ وہ ہندوستانی تحریروں کا ترجمہ کرتے ہوئے ہندی الفاظ کا باکثرت استعمال کرتی ہیں جس سے بعض اوقات تحریر بوجھل محسوس ہونے لگتی ہے۔مثلاً:

> الطاف فاطمہ ترجمے میں اردو زبان کے ایسے الفاظ کا استعمال بھی کرتی ہیں جس سے متن میں مقامی رنگ شامل ہوجاتا ہے۔مثال کے طور پر ''بڑے آدمی اور ان کے نظریات'' میں بھاری بھرکم اصلاحات اور بکثرت انگریزی الفاظ کا استعمال ہے لیکن ساتھ ہی وہ جہاں محسوس کرتی ہیں وہاں اردو محاورہ یا کوئی مقامی لفظ شامل تحریر کردیتی ہیں۔مثلاً: ''قصہ یہ تھا کہ ایک جمہوریت پسند کیلئے یہ بڑے دل گردے کا کام تھا کہ وہ کم اختیار حکومت والے نظریئے کی مخالفت کرے جس کو کہ جمہوری ریاست کی مضبوط ترین فصیل کہا جاتا تھا۔''(۱۷)

مندرجہ بالا مثالوں میں ''دل گردے کا کام'' اور ''مولا بخش'' جیسے الفاظ و محاورات کا استعمال کر کے الطاف فاطمہ ترجمہ شدہ متن کو مقامی رنگ عطا کرنے میں کامیاب رہتی ہیں۔

مترجم اصل تحریر کا تاثر ترجمہ شدہ متن میں ہر صورت شامل رکھنے کی سعی کرتی ہیں۔اس امر کیلئے جملوں کی بناوٹ بھی اسی اعتبار سے کرتی ہیں۔ترجمے میں کسی غیر ضروری بات کا اضافہ نہیں ہوتا نہ ہی وہ کسی بات کو طول دیتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ترجمہ اُردو زبان میں ہوتے ہوئے بھی اصل متن کا عکسِ کامل بن جاتا ہے۔مثال اصل متن کے ساتھ پیش ہے:

It was the summer of 1951. It happened during a trip. She had a thought, which was also encountered by many others on their own journeys. The incident should eventually clarify itself. She recalls, simply as an experience, what she faced on that trip. It concerned the Party- meaning, of course, the Communist Party. She was a party member. At least in her mind she was still one then. And she was an author.

(Japanese Women Writers: Twentieth Century Short Fiction)

''بڑے آدمی اور ان کے نظریات'' کے ترجمے سے پہلے اردو ادب میں اس نوعیت کی ترجمہ شدہ کتاب موجود نہ تھی۔ جس میں امریکی ریاست کا تاریخی خاکہ اس کے تہذیبی و سیاسی معماروں کے نظریات و خیالات کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ رما مہتہ کی "Inside the Haveli" کا ترجمہ انگریزی زبان سے فرانسیسی، گجراتی اور ہندی زبان میں ہو چکا ہے۔ جبکہ الطاف فاطمہ نے اردو زبان میں اس شہرۂ آفاق ناول کو ترجمہ کر کے قارئین کی اس تک رسائی کو ممکن بنایا۔

''زیتون کے جھنڈ'' اور ''حویلی کے اندر'' کے علاوہ کسی کتاب میں الطاف فاطمہ اپنی کسی ذاتی رائے یا پیش لفظ کا اضافہ نہیں کرتیں ۔البتہ ان کے تراجم کے جائزے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے اور دلچسپ ترجمے کرنے کے باوجود ان تراجم میں اصل تخلیق کی خوبیاں اور لطف برقرار ہے جو ادبی ذوق کی تسکین کا باعث بھی بنتا ہے۔ طرزِ تحریر، جذبات و منظر نگاری، انگریزی و اُردو زبان پر مکمل عبور، گہرہ مشاہدہ داور اظہارِ بیان کی خوبیاں ان تراجم کو کامیاب بناتی ہیں اور ترجمہ نگاری کے حوالے سے ان کی محنت اور کوشش ظاہر ہے۔

تراجم دوسرے ممالک کے ادب تک رسائی اور اپنے ادب میں نئے موضوعات کے اضافے کو ممکن بناتے ہیں اور نئے زاویے متعارف کروانے کا سبب بنتے ہیں جس کے باعث ادب جمود کا شکار ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔ الطاف فاطمہ کی کاوشوں کے نتیجے میں یقیناً اردو ادب میں چند اہم تراجم کا اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ الطاف فاطمہ مترجمین کی صفِ اول میں تو اپنا مقام نہیں بنا پائیں لیکن ''حویلی کے اندر'' اور ''زیتون کے جھنڈ'' نے ان کو ترجمہ نگاری میں ایک مستقل نام اور پہچان ضرور دی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ''نغمے کا قتل'' دیال سنگھ لائبریری کی کیٹا لوگ میں ہونے کے باوجود وہاں اور دیگر مقامی کتب خانوں میں دستیاب نہیں۔

۲۔ الطاف فاطمہ سے راقمہ کی ملاقات، ۶۔ مئی ۲۰۱۶ء بمقام ٹوانہ ہاوس، ۲۶۔ حبیب اللہ روڈ، لاہور۔

۳۔ ''بڑے آدمی اور ان کے نظریات'' کی اصل انگریزی تصنیف مقامی کتب خانوں میں نہ ملنے اور کوشش کے باوجود حاصل نہ کر پانے کے باعث انٹرنیٹ سے اس تک رسائی حاصل کی گئی ہے جس کا حوالہ Websites میں درج کیا گیا ہے۔

۴۔ ''جاپانی افسانہ نگار خواتین'' کا اصل انگریزی متن دستیاب نہ ہونے کے باعث انٹرنیٹ سے مواد حاصل کیا گیا ہے اور حوالہ Websites میں درج کر دیا گیا ہے۔

۵۔ الطاف فاطمہ، مترجم ،زیتون کے جھنڈ، کراچی: شہرزاد ، ۲۰۱۴ء ، ص: ۱۱

۶۔ ''موتی'' اور'' میرے بچے ، میری دولت'' لاہور کے مقامی کتب خانوں میں موجود نہ ہونے کے

باعث میسر نہیں آسکیں۔

۷۔ الطاف فاطمہ ،مترجم ،سچ کہانیاں ،لاہور:مشعل ،۲۰۰۰ء ص :۵۷ -۵۸

۸۔ الطاف فاطمہ ،مترجم ، حویلی کے اندر ،لاہور: مکتبہ جدید پریس ،۱۹۹۹ء ص: ۲۳

۹۔ الطاف فاطمہ ،مترجم ،سچ کہانیاں ، ص: ۳۱

۱۰۔ الطاف فاطمہ ،مترجم ،حویلی کے اندر ، ص : ۱۴۸

۱۱۔ الطاف فاطمہ ،مترجم ،جاپانی افسانہ نگار خواتین، لاہور: مشعل ،۱۹۹۴ء ، ص: ۱۱۲

۱۲۔ الطاف فاطمہ ،مترجم ،زیتون کے جھنڈ، ص: ۱۱۰

۱۳۔ ایضاً ، ص: ۱۳۵

۱۴۔ الطاف فاطمہ،مترجم،بڑے آدمی اوران کے نظریات،لاہور: مکتبہ معین الادب،۱۹۶۵ء، ص:۱۴۸

۱۵۔ الطاف فاطمہ ،مترجم،سچ کہانیاں ، ص: ۱۳۵

۱۶۔ ایضاً،ص:۳۲

۱۷۔ الطاف فاطمہ،مترجم،بڑے آدمی اوراُن کے نظریات،ص:۲۲۰

۱۸۔ ایضاً،ص:۲۱۵

۱۹۔ الطاف فاطمہ،مترجم،جاپانی افسانہ نگار خواتین،ص:۱۵۴

مآخذ:

۱۔ فاطمہ ، الطاف ، مترجم ، بڑے آدمی اوران کے نظریات ، لاہور: مکتبہ معین الادب ، ۱۹۶۵ء

۲۔ فاطمہ ، الطاف ، مترجم ، حویلی کے اندر ،لاہور: مکتبہ جدید پریس ،۱۹۹۹ء

۳۔ فاطمہ ، الطاف ، مترجم ، سچ کہانیاں ،لاہور: مشعل ،۲۰۰۰ء

۴۔ فاطمہ ، الطاف ، مترجم ، زیتون کے جھنڈ ،کراچی : شہرزاد ، ۲۰۱۴ء

۵۔ فاطمہ ، الطاف ، مترجم ، جاپانی افسانہ نگاری خواتین ،لاہور: مشعل،۱۹۹۴ء

Websites:

1-The Genius of America by Saul K.Padover

< http://krishikosh.egranth.ac.in/handle/1/2030590>

2-Japanese Women Writer: Twentieth Century Short Fiction Translated and Edited by Noriko Mizuta Lippit and Kyoko Iriye Selden

<www.books.google.com.pk>